ڈاکٹر محمد اسحاق
مترجم: شاہد حسین رزاقی

سندھ کے مکاتب حدیث اور محدثین

عربوں کی نوآبادیاں

پہلی صدی ہجری کی آخری دہائی میں سندھ میں عربوں کی ایک ریاست قائم ہوگئی تھی جو اس اعتبار سے ایک عہد ساز واقعہ ثابت ہوئی کہ اس کی وجہ سے سندھ کے دروازے عربوں کے لیے کھل گئے۔ بحری راستوں کے علاوہ جن سے عرب ہند، سے اپنے تجارتی تعلقات کی وجہ سے قدیم زمانے سے واقف تھے اب ان کے لیے بصرہ سے براہ شیراز و کرمان اور ساحل مکران، سندھ تک ایک برّی راستہ بھی کھل گیا اور اس راستے سے آمد و رفت میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ اس طرح سندھ برّی اور بحری دونوں راستوں سے عرب سے مربوط ہوگیا اور ان ملکوں کے درمیان مواصلات کی سہولتیں فراہم ہوگئیں۔ ۹۳ھ ۷۱۱ء میں محمد بن قاسم نے سندھ فتح کیا اور سندھ میں عرب آباد کار بڑی تعداد میں آنے لگے۔ کیونکہ محمد بن قاسم نے مفتوحہ علاقوں میں عربوں کو آباد کرنے سے بہت دلچسپی لی۔ جنوبی ہند کے عربوں کی طرح ان عربوں نے بھی تجارت کا پیشہ اختیار کیا، اور تجارتی روابط کو سندھ اور ہند کے ہمسایہ ملکوں کے درمیان تعلقات کا ذریعہ بنا دیا۔

آباد کاروں کے علاوہ عرب سپاہیوں نے بھی سندھ میں سکونت اختیار کر لی اور اس طرح سے اس علاقے میں عربوں کی آبادی بہت بڑھ گئی۔ عربوں کی تعداد کتنی زیادہ ہوگئی تھی اس کا اندازہ اس امر سے ہوسکتا ہے کہ محمد بن قاسم نے صرف ملتان میں پچاس ہزار سواروں پر مشتمل ایک فوج رکھی تھی۔ ملتان کے علاوہ منصورہ، الور وغیرہ کئی اور اہم فوجی مراکز تھے جہاں عربوں کی فوجیں مستقل طور پر متعین کی گئی تھیں۔

اس طرح اسلامی سلطنت کے بعید مشرقی علاقے میں عربوں کی کئی نوآبادیاں قائم ہو گئیں

جن میں منصورہ، ملتان، دیبل، سندان، قصدار اور قندربیل کو بڑی اہمیت حاصل تھی، اور یہ مقامات سندھ میں اسلامی علوم کے ابتدائی مراکز بن گئے۔

اسلامی علوم کی اشاعت

عرب فوجوں اور آبادکاروں کی آمد سے سندھ میں جو بیداری پیدا ہوئی اس کی وجہ سے اس علاقے میں اور یہی اسلامی علوم یعنی قرآن وحدیث کی اشاعت ہونے لگی۔ ان علوم کی اشاعت پہلے دریائے سندھ کے مغربی علاقوں میں ہوئی اور اس کے بعد مشرقی علاقوں میں، کیونکہ مسلمانوں کا قبضہ پہلے مغربی علاقوں پر ہوا اور پھر مشرقی علاقوں پر۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں عربوں نے ۲۳ھ-۶۴۳ء میں مکران، طوران اور بدھ فتح کر لیا تھا۔ یہ علاقے دریائے سندھ کے مغرب میں واقع ہیں، اور بیس سال کے بعد ہی یہ اسلامی سلطنت کا حصہ بن گئے۔ لیکن سندھ کا مشرقی علاقہ ولید بن عبدالملک (۸۶ تا ۹۶ھ-۷۰۵ء تا ۷۱۴ء) کے عہد میں فتح ہوا۔ مزید برآں مغربی علاقے میں کئی صحابہ بھی تشریف لائے تھے جس سے اس خیال کو تقویت ہوتی ہے کہ اس علاقے میں اسلامی علوم اسی وقت پہونچ گئے تھے، اگرچہ ان کی اشاعت بعد میں کی گئی۔ تاہم اس بارے میں کوئی قطعی علم نہیں ہے۔

سندھ میں اسلامی علوم کے آغاز اور ان کی اشاعت کے بارے میں سب سے پہلا اور باقاعدہ تحریری ثبوت محمد بن قاسم کی فتح سندھ کے وقت سے ملتا ہے۔ چنانچہ واضح طور پر یہ لکھا گیا ہے کہ عرب فوج میں قرآن پاک کے بہت سے قاری تھے جن کو حجاج نے یہ تاکید کی تھی کہ قرآن کی قرأت پابندی سے کیا کریں۔ اس کے علاوہ محمد بن قاسم کے ساتھ ایسے کئی اشخاص بھی سندھ آئے تھے جن کو علم قرآن وسنت پر عبور حاصل تھا۔ اس کے بعد جب عرب بڑی تعداد میں سندھ میں آباد ہونے لگے تو یہاں ایسے عالم بھی آباد ہو گئے جن کی محنت اور علم سے محبت کی بدولت عربوں کی نوآبادیوں میں اسلامی علوم کے مراکز قائم ہو گئے۔

دورِ اول کے علمائے حدیث

ذیل میں چند ایسے علما کا ذکر مختصر طور پر کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے جنھوں نے اسلامی علوم اور بالخصوص علم حدیث کی اشاعت کی۔

موسیٰ بن یعقوب ثقفی

یہ محمد بن قاسم کے ساتھ سندھ آئے تھے اور محمد بن قاسم نے ان کو الور کا قاضی مقرر کیا تھا۔ ثقفی مستقل طور پر سندھ میں آباد ہو گئے تھے، اور سنتِ رسولؐ کے بڑے عالم تھے، اُچھ میں ان کا خاندان بڑی مدت تک علم و فضل کے لیے مشہور رہا جس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ صدیوں بعد ۶۱۳ھ-۱۲۱۶ء میں اسماعیل بن علی ثقفی، جو ان کی اولاد میں تھے۔ معدنِ علم و روحِ عقل تصور کیے جاتے تھے اور علم و تقویٰ اور فصاحت میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔

یزید بن ابی کبشہ سکسکی دمشقی (م ۹۷ھ-۷۱۵ء)

سلیمان بن عبدالملک (۹۶ تا ۹۹ھ) جب خلیفہ ہوا تو اس نے محمد بن قاسم کو سندھ سے واپس بلا لیا اور ان کی جگہ یزید بن ابی کبشہ کو مقرر کیا مگر وہ سندھ میں زیادہ دن نہیں رہ سکے اور وہاں پہونچنے کے صرف اٹھارہ روز کے بعد ہی فوت ہو گئے۔

یزید ایک تابعی تھے، اور انھوں نے ابوالدرداءؓ شرجیل بن اوس اور مروان بن حکم سے جو سب صحابیٔ رسولؐ تھے۔ بہت سی احادیث سماعت کیں۔ ناقدینِ حدیث نے ان کو ثقہ راوی شمار کیا ہے، ان کے شاگردوں میں ابو بشر الحکم بن عتیبہ، علی بن الاقمر، معاویہ بن قرۃ المزنی اور ابراہیم السکسکی مشہور راویانِ حدیث تھے۔ ان سے مروی احادیث صحیح بخاری اور محمد بن حسن الشیبانی کی کتاب الآثار اور حکیم نیشاپوری کی المستدرک میں موجود ہیں۔

مفضل بن المہلب بن ابی صفرہ (م ۱۰۲ھ-۷۲۱ء)

یزید بن عبدالملک (۱۰۱ تا ۱۰۵ھ-۷۲۰ تا ۷۲۴ء) کے عہدِ خلافت میں خراسان کے ایک سابق والی یزید بن المہلب کے زیرِ سرکردگی ۱۰۲ھ-۷۲۱ء میں عراق میں ایک زبردست بغاوت ہوئی تھی۔ بنو امیہ کے خلاف اپنے منصوبوں میں یزید بن المہلب کو کوفہ اور بصرہ کی تائید حاصل کرنے میں کامیابی ہوئی، اور ابتدا میں اسے نمایاں فتوحات حاصل ہوئیں، چنانچہ فارس، اہواز، عبدکرمان اور قندابیل (سندھ کا حصہ) کے صوبے، جن کا سلسلہ دریائے سندھ کے کناروں تک چلا گیا تھا، خلیفہ کے ہاتھ سے نکل گئے اور یزید بن المہلب نے یہاں اپنے والی مقرر کیے۔ اس بغاوت کو فرو کرنے کے لیے خلیفہ نے اپنے بھائی مسلم

بن عبدالملک کو روانہ کیا۔ ایک زبردست فیصلہ کن معرکے میں یزید بن المہلب اور اس کے لڑکے مارے گئے، اور اس خاندان کے بچے کھچے افراد ایک کشتی میں فرار ہو کر قندابیل (موجودہ گنداوا) پہونچے جو اس وقت کے سندھ کا ایک شمال مغربی صوبہ تھا۔ لیکن موت ان لوگوں کے تعاقب میں تھی، خلیفہ کا عامل ہلال بن احوز التمیمی جب ان لوگوں کا تعاقب کرتا ہوا پہونچا تو قندابیل کے والی وداع بن حامد نے، جسے خود یزید بن المہلب نے اس عہدہ پر مقرر کیا تھا، غداری کی لیکن المہلب کے بہادر بیٹوں نے ہتھیار نہیں ڈالے اور بیشتر افراد آخر وقت تک لڑتے ہوئے مارے گئے۔

قندابیل (علاقۂ سندھ) میں المہلب کے جو بیٹے مارے گئے ان میں ایک المفضل راوی حدیث تھے، وہ تابعی تھے اور ایک صحابی نعمان بن بشیرؓ سے حدیث روایت کرتے تھے، ان کے لڑکے حاجب، ثابت البنانی (م ۱۲۷ھ) اور جریر بن حازم المفضل سے حدیث روایت کرتے تھے۔

ابن حبان اور علم حدیث کے دوسرے ناقدوں نے المفضل کو ثقہ راوی قرار دیا ہے

ابو موسیٰ اسرائیل بن موسیٰ البصری نزیل السند (م ۱۵۵ھ - ۷۷۱ء)

یہ بصرہ کے باشندہ تھے، غالباً تاجر کی حیثیت سے سندھ آئے تھے اور وہیں سکونت اختیار کر لی تھی، جیسا کہ ان کے لقب نزیل السند سے ظاہر ہوتا ہے۔

ابو موسیٰ ایک ثقہ راوی تھے اور حسن البصری (م ۱۱۰ھ) اور ابو حازم الشجعی (م ۱۱۵ھ) سے احادیث روایت کی ہیں۔ ایک محدث کی حیثیت سے ان کے مرتبہ کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سفیان الثوری (م ۱۶۱ھ) سفیان بن عیینہ (م ۱۹۸ھ) اور یحییٰ بن سعید القطان (م ۱۹۸ھ) جیسے کامل فن محدث ان کے شاگردوں میں شامل تھے۔

امام بخاریؒ نے ابو موسیٰ سے مروی احادیث کا حوالہ صحیح بخاری میں چار مختلف مقامات پر دیا ہے اور سنن کی کتابوں میں بھی ان کی احادیث محفوظ کی گئی ہیں۔

عمرو بن مسلم الباہلی (م ۱۲۳ھ - ۷۴۰ء)

عمرو بن مسلم ماوراء النہر کے نامور فاتح قتیبہ بن مسلم الباہلی کے بھائی تھے، خلیفہ

عمر بن عبدالعزیزؒ (۹۹ تا ۱۰۱ھ - ۷۱۷ تا ۷۱۹ء) کے والی کی حیثیت سے وہ سندھ آئے تھے اور انھوں نے ہند پر چند کامیاب حملے بھی کیے تھے۔ انہی کے دورِ ولایت میں خلیفہ کی دعوت پر کئی راجاؤں نے جن میں داہر کا لڑکا جے سنہا بھی شامل ہے اسلام قبول کیا تھا۔

ایک سپاہی کی پُرخطر زندگی گزارنے کے باوجود عمرو بن مسلم نے ایک حد تک علم حدیث کو ترقی دینے میں بھی حصہ لیا۔ انھوں نے یعلی بن عبید سے احادیث روایت کی ہیں، اور خود ان سے ابوالطاہر نے حدیثیں سنیں۔

عمرو بن مسلم کی تاریخِ وفات کا علم نہیں۔ تاہم یہ معلوم ہے کہ ان کا انتقال ۱۲۰ھ - ۷۳۸ء کے بعد ہوا، کیونکہ اس سال وہ مرو کے عامل تھے۔

ربیع بن صبیح السعدی البصری (م ۱۶۰ھ - ۷۷۶ء)

ربیع بن صبیح ایک محدث اور احادیث کے قدیم مرتبین میں سے تھے۔ ان کی کنیت ابوبکر اور ابن سعد کے بیان کے مطابق ابوحفص تھی۔ وہ ۱۶۰ھ - ۷۷۶ء میں ایک بحری فوج کے ساتھ ہند آئے تھے۔ جس نے مہدی (۱۵۸ تا ۱۶۹ھ - ۷۷۵ تا ۷۸۵ء) کے عہد خلافت میں عبدالملک بن شہاب المسمعی کی قیادت میں بربد پر حملہ کیا تھا۔ عربوں نے بربد فتح کر لیا جو اس زمانے میں ایک خوش حال بندرگاہ تھی۔ اب یہ مقام بھار بھوٹ کہلاتا ہے اور بروچ کے قریب واقع ہے۔ اس کامیابی کے بعد عربوں کو ایک بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔ وطن واپس جانے کے لیے موافق ہواؤں کے انتظار میں ان کو بربد میں رکنا پڑا، اور اسی دوران میں ساحلی علاقوں میں طاعون پھیل گیا جس سے بہت جانی نقصان ہوا، اور ربیع بن صبیح بھی اس وبا کا شکار ہو گئے۔ لیکن ابن سعد کا بیان ہے کہ ربیع کا انتقال بحری سفر کے دوران میں ہوا اور ان کو ایک جزیرے میں دفن کیا گیا۔ ابن عماد کا بھی یہی بیان ہے اور اس نے یہ وضاحت بھی کر دی ہے کہ واپسی کے سفر میں ربیع نے وفات پائی۔

ربیع بصرہ کے باشندہ اور حسن البصری (م ۱۱۰ھ) کے شاگرد تھے جن سے انھوں نے حدیث کا درس لیا تھا۔ اس کے علاوہ ربیع نے اس زمانے کے چند ممتاز محدثوں مثلاً حمید الطویل (م ۱۴۲ھ) ثابت البنانی (م ۱۲۷ھ) مجاہد بن جبیر (م ۱۰۳ھ) سے بھی علم حدیث حاصل کیا۔ اپنے ہم عصر راویانِ حدیث میں ربیع کو ایک بلند مرتبہ حاصل تھا۔ عبداللہ بن المبارک (م ۱۸۱ھ) سفیان

الثوری، وکیع (م ۱۹۷ھ) ابوداؤد الطیالسی (م ۲۰۳ھ) اور عبدالرحمٰن بن المہدی (۱۹۸ھ) جیسے مشہور محدث الربیع کے شاگردوں میں شامل تھے اور ان سے احادیث روایت کرتے تھے۔ مزید برآں وہ علم حدیث کے ان اولین علمبرداروں میں سے تھے جنھوں نے دوسری صدی ہجری میں جمع و تدوین حدیث کا اہم کام کیا۔

علمِ حدیث کے مراکز

جیساکہ اوپر بیان کیاگیا ہے سندھ میں مطالعہ حدیث کا آغاز دوسری صدی ہجری میں ہو گیا تھا مگر اس نے چوتھی صدی تک کچھ زیادہ ترقی نہیں کی۔ یہاں تک کہ مقامی طلبا میں یہ جذبہ شدت سے پیدا ہو گیاکہ وہ دوسرے ملکوں میں جاکے اس علم کا غائر مطالعہ کریں۔ اسلامی حکومت کی ابتدائی صدیوں میں سندھ میں علمِ حدیث کی ترقی کی رفتار سست رہنے کے دو سبب قرار دیے جاسکتے ہیں۔

۱۔ اس زمانے کے حالات فن اور ادب کی ترقی کے لیے سازگار نہ تھے۔ کیونکہ اموی اور عباسی خلفا کے زمانے میں مستحکم اور طاقتور حکومت نہ ہونے کی وجہ سے داخلی امن جو فن وادب کی ترقی کے لیے نہایت ضروری ہے، ہمیشہ قائم نہیں رکھا جاسکا۔ حقیقت یہ ہے کہ سلطنت کے مشرقی حصے میں سندھ کی حیثیت ایک علاقہ سے زیادہ بیرونی فوجی چوکی (ثغر) کی تھی جس پر مرکزی حکومت کوئی خاص توجہ نہ کرتی تھی۔

۲۔ سندھ، عرب، عراق اور سلطنت کے دوسرے علاقوں کے اسلامی علوم کے مراکز سے روابط قائم نہ کرسکتا تھا۔ کیونکہ یہ علاقہ بہت دور تھا اور آمد و رفت میں سہولت پیدا کرنے والے ذرائع موجود نہ تھے۔ حوصلہ مند تاجروں اور مہم جو آباد کاروں کے سوا کوئی اور شخص سندھ تک کے بری اور بحری راستوں پر سفر کرنے کے خطرات مول لینے کی جرات نہ کرتا تھا۔ چوتھی صدی ہجری میں بھی نامور جغرافیہ دان المقدسی نے ان مشکلات کا شکوہ کیا ہے جو سندھ کا سفر کرنے والے شخص کو پیش آئی تھیں

تیسری صدی ہجری کے آخر نصف میں ملتان اور منصورہ میں دو مختار عرب ریاستوں کے قیام سے سندھ میں اچھی حکومت کا ایک دور شروع ہوا۔ سندھ پر عربوں کا اقتدار تین صدیوں

تک قائم رہا اور اس طویل دور میں عربوں کی ان آزاد حکومتوں کا زمانہ تاریخ میں ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ ملک میں امن اور خوش حالی کا دور دورہ تھا جس کا ثبوت ان سیاحوں کے بیانات سے ملتا ہے جو وقتاً فوقتاً یہاں آتے رہے۔ چنانچہ اس زمانے میں مطالعہ حدیث کو جو کچھ فروغ ہوا وہ بنیادی طور پر اس داخلی امن کی بدولت ہوا جو ان حکومتوں نے قائم کیا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس زمانے میں سندھی طلباء میں یہ جذبہ بہت نمایاں تھا کہ دوسرے ملکوں میں جا کے علمِ حدیث کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی جائے۔ السمعانی (م ۵۶۲ھ) نے بیان کیا ہے کہ شافعی عالم ابوعثمان الصابونی (۳۷۳ - ۴۴۹ھ) سے حدیث کا درس لینے کے لیے بلادِ ہند کے طلبا نیشاپور گئے تھے۔ دیبل، منصورہ اور قصدار کے شوقین طلبا کی ایک جماعت نے تحصیلِ علم حدیث کے لیے عرب، شام، عراق اور مصر کے دور دراز سفر کیے تھے۔ چوتھی صدی ہجری تک مطالعہ حدیث کے لیے ایک حلقہ قائم ہو گیا تھا اور سندھ میں احادیث کی زبانی اشاعت کو فروغ ہو رہا تھا دیبل اور بغداد اور منصورہ اور خراسان کے مابین محدثین کا تبادلہ بھی عمل میں آیا تھا۔ سمعانی کی انتھک محنت کی بدولت ہمیں اس کی کتاب الانساب میں ان سندھی طلبا کی فہرست مل جاتی ہے جو اسلامی ممالک میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔

دیبل میں علمِ حدیث کی تعلیم و اشاعت

دیبل ایک مشہور بندرگاہ تھا جو عربوں کے عہدِ حکومت میں موجودہ ٹھٹھہ اور کراچی کے درمیان واقع تھا۔ اس بندرگاہ کے ذریعہ بحری راستے سے بیرونی ملکوں سے بڑے پیمانے پر تجارت ہوتی تھی۔ اسلامی دور میں اس کی اہمیت کا آغاز محمد بن قاسم (۹۳ تا ۹۶ھ - ۷۱۱ تا ۷۱۴ء) کی فتح سندھ سے ہوا، جنھوں نے اس شہر میں ایک مسجد تعمیر کروائی تھی اور چار ہزار عربوں کو آباد کیا تھا۔ رفتہ رفتہ دیبل میں عربوں کی آبادی بہت زیادہ ہو گئی۔ اس شہر کا رقبہ کافی وسیع تھا اور اس کی آبادی کا اندازہ ایک زلزلے میں ہلاک ہونے والوں کی کثیر تعداد سے ہو سکتا ہے جو المعتضد (۲۷۹ تا ۲۸۹ھ - ۸۹۲ تا ۹۰۲ء) کے عہدِ خلافت میں ۲۸۰ھ ۸۹۳ء میں آیا تھا۔ اس زلزلے میں ڈیڑھ لاکھ آدمیوں کے ہلاک ہو جانے کا تخمینہ کیا گیا تھا۔ عربوں کی آزاد حکومت کے دور میں دیبل ریاستِ منصورہ کا بندرگاہ تھا اور ایک سو کوس اس سے

ملحق تھے۔

عربوں کی تجارتی اور انتظامی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ اسلامی علوم کی اشاعت کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ دیبل کا محل وقوع اس مقصد کے لیے اس اعتبار سے بہت موزوں تھا کہ بحری راستوں کے ذریعہ یہ اسلامی ممالک سے مربوط تھا اور ان ملکوں سے باہمت علما یہاں آتے رہتے تھے۔ مقامی درس گاہیں مسجدوں میں قائم کی گئی تھیں، اور ان میں دینی علوم کی تعلیم دی جاتی تھی اگرچہ تیسری صدی ہجری سے قبل عربوں کی ثقافتی سرگرمیوں میں کوئی خاص ترقی نہیں ہوئی تھی تاہم دیبل میں علمِ حدیث کے مطالعہ سے دلچسپی شروع ہو چکی تھی اور متعدد راویانِ حدیث پیدا ہو گئے تھے جن کا مختصر حال ذیل میں درج کیا جا رہا ہے۔

محدثینِ دیبل

ابو جعفر دیبلی (م ۳۲۲ھ - ۹۳۴ء)

دیبل کے پہلے عالم جو حدیث کی اعلیٰ تعلیم کے لیے بیرونِ ملک گئے محمد بن ابراہیم بن عبداللہ دیبلی تھے جن کا لقب ابو جعفر ہے۔ انھوں نے مکہ معظمہ کا سفر کیا اور وہاں کے چند مشہور محدثین سے درس لیا۔ ان کے مکہ پہونچنے کی تاریخ کا ہمیں علم نہیں ہے لیکن ان کے شیوخ کی وفات کی تاریخوں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے، تیسری صدی ہجری کی چوتھائی دہائی تک یہ تمام شیوخ فوت ہو گئے تھے اور اس سے یہی قیاس کیا جا سکتا ہے کہ وہ اس سے پہلے ہی مکہ چلے گئے تھے۔

حدیث کے علاوہ ابو جعفر نے ابن عیینہ کی کتاب التفسیر کا درس بھی ان کے شاگرد عبدالرحمٰن المخزومی (م ۲۴۹ھ) اور ابن المبارک کی کتاب البر والصلہ کا درس ان کے شاگرد حسین المروزی (م ۲۴۶ھ) سے لیا۔ انھوں نے مکہ کے ایک محدث محمد بن زنبور، عبدالرحمٰن بن صبیح اور دوسرے محدثین سے احادیث روایت کی ہیں۔

ابو جعفر علمِ حدیث پر پورا عبور حاصل کر کے محدث بنے۔ وہ وطن واپس نہیں آئے بلکہ مکہ میں قیام کر کے علمِ حدیث کی خدمت کرتے رہے۔ ابو الحسن احمد بن ابراہیم بن فراس مکی، ابو الحسین محمد بن محمد النجاج (م ۳۶۸ھ) اور محمد بن ابراہیم المرقی (م ۳۸۱ھ) نے ابو جعفر سے

احادیث روایت کی ہیں۔ ابوجعفر نے جمادی الاول ۳۲۲ھ۔ اپریل ۹۳۴ء میں مکہ میں وفات پائی۔

ابراہیم بن محمد دیبلی (م ۳۴۵ھ۔ ۹۵۶ء)

ابراہیم بن محمد، ابوجعفر کے لڑکے تھے۔ وہ راوی حدیث تھے۔ انھوں نے موسیٰ بن ہارون البزاز (م ۲۹۴ھ) اور مکہ کے ایک محدث محمد بن علی الصیغ (م ۲۹۱ھ) سے حدیثیں روایت کی ہیں

احمد بن عبداللہ دیبلی (م ۳۴۳ھ۔ ۹۵۴ء)

احمد بن عبداللہ، ابوجعفر کے شاگرد رشید تھے۔ وہ چوتھی صدی ہجری کے ایک ایسے محدث تھے جس نے دور دور تک سفر کیے تھے۔ ماوراءالنہر سے لے کر وادی نیل تک پورے مشرق وسطیٰ کا تنہا سفر کرکے انھوں نے ممتاز محدثین سے احادیث سماعت کیں۔

جو معلومات حاصل ہوئی ہیں ان سے احمد بن عبداللہ کے صحیح حالات سفر کا علم نہیں ہوتا۔ غالباً تیسری صدی ہجری کے اول نصف میں علم حدیث کی تحصیل کے لیے سفر پر نکلے، اور مکہ میں اپنے ہم وطن محدث ابوجعفر دیبلی (م ۳۲۲) کے ساتھ مطالعہ حدیث کیا جو ایک محدث کا درجہ حاصل کرچکے تھے، اور معفل بن محمد الجندی (م ۳۰۸ھ) کے ساتھ مطالعۂ حدیث کیا۔ معفل، شیبی (م ۳۰۸ھ) کی اولاد میں تھے۔ مصر میں انھوں نے علی بن عبدالرحمٰن اور محمد بن ریان سے، دمشق میں حافظ احمد بن عمیر بن جوہ (م ۳۲۰ھ) سے، بیروت میں ابوعبدالرحمٰن مکحولا سے جہاں میں حافظ حسین بن ابی معشر (م ۳۱۸ھ) سے، بغداد میں جعفر بن محمد الغاریابی (م ۳۰۵ھ) سے، بصرہ میں ابوخلیفہ القاضی (م ۳۰۵ھ) سے، عسکر مکرم میں حافظ عبدان بن احمد الجوالقی (۲۱۱تا۳۰۶ھ) سے، تستر میں احمد بن زہیر التستری (م ۳۱۲ھ) سے، اور نیشاپور میں محمد بن اسحاق بن خزیمہ (م ۳۱۱ھ) سے احادیث سماعت کیں۔ ان کے علاوہ بھی انھوں نے دوسرے کئی ہم عصر محدثین سے حدیثیں سنیں۔

۳۱۱ھ۔ ۹۲۳ء میں خزیمہ کی وفات سے قبل احمد بن عبداللہ نیشاپور پہونچ گئے تھے، جہاں کی ثقافتی اور مذہبی زندگی اور بالخصوص حسن بن یعقوب الحداد (م ۳۳۶ھ) کی خانقاہ جہاں صوفیوں اور زاہدوں کا ہجوم رہا کرتا تھا انھیں بہت پسند آئی۔ نیشاپور پہونچ کر انھوں نے جہاں گردی ختم کردی اور خانقاہ میں شریک ہوگئے۔ تارک دنیا زاہد بن گئے۔ عبادت و ریاضت میں مصروف رہتے اور روکھی سوکھی غذا کھاتے، تاہم انھوں نے علم حدیث کی اشاعت جاری رکھی۔

الحاکم نیشاپوری (۳۲۱ تا ۴۰۵ھ) نے کم عمری میں ان سے درسِ حدیث لیا تھا۔

احمد بن عبداللہ نے ۳۴۳ھ - ۹۵۴ء میں نیشاپور میں وفات پائی اور قبرستان الحیرہ میں مدفون ہوئے۔ وہ صرف صوف پہنتے اور برہنہ پا رہتے تھے۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اتنے قدیم زمانے میں بھی ایک ہندی عالم نے علمِ حدیث کی تحصیل کے لیے نیشاپور، بغداد، دمشق، بیروت اور مصر جیسے دور دراز مقامات کا سفر کر کے وہاں کے خزانوں سے اپنا دامن بھر لیا۔

محمد بن محمد بن عبداللہ دیبلی (دم ۳۴۶ھ/۹۵۷ء)

احمد بن عبداللہ کے ہم وطن اور ہم مکتب محمد دیبلی نے بھی علمِ حدیث کی تحصیل کے لیے کافی سفر کیا۔ اگرچہ اتنا نہیں جتنا کہ احمد نے کیا تھا۔ محمد دیبلی نے بصرہ کے خلیفہ القاضی (دم ۳۰۵ھ) بغداد کے جعفر بن محمد الفاریابی (دم ۳۰۱ھ) عسکر مکرم کے عبدان بن احمد (۲۱۰ تا ۳۰۶ھ) فاریاب کے محمد بن الحسن اور دوسرے محدثین سے حدیث کا درس لیا۔ وہ وراقِ حدیث تھے، الحاکم نیشاپوری (دم ۴۰۵ھ) کے استاد کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔ محمد دیبلی نے ۳۴۶ھ - ۹۵۷ء میں وفات پائی۔

حسن بن محمد بن اسد دیبلی (دم ۳۵۰ھ - ۹۶۱ء)

حسن دیبلی، ابو یعلی موصلی (دم ۳۰۷ھ) کے شاگرد تھے۔ انھوں نے ۳۴۰ھ - ۹۵۱ء میں دمشق میں احادیث کی اشاعت کی۔ ان کا سلسلہ استاد ایک صحابی جابر بن عبداللہؓ (دم ۷۸ھ) تک جاتا ہے۔ تمام نے حسن دیبلی سے درسِ حدیث لیا تھا۔

خلف بن محمد دیبلی (د ۳۶۰ھ)

خلف نے اپنے ہی شہر دیبل میں علی بن موسیٰ دیبلی سے علمِ حدیث کی تعلیم حاصل کی۔ وہ بغداد چلے گئے تھے اور وہاں حدیث کا درس دیتے تھے۔ بغداد کے ابوالحسین بن الجندی (۳۰۶ تا ۳۹۶ھ) اور احمد بن عمیر نے خلف بن محمد سے حدیث کا درس لیا تھا۔

احمد بن محمد بن ہارون دیبلی (۲۷۵-۳۷۰ھ)

احمد بن محمد جن کا لقب ابوبکر تھا ۲۷۵ھ - ۸۸۸ء میں دیبل میں پیدا ہوئے اور ہجرت

کر کے رے چلے گئے اور الرازی کے نام سے معروف ہوئے۔ اس کے بعد انھوں نے حربیہ میں جو بغداد کا نواحی علاقہ تھا مستقل سکونت اختیار کر لی، اور اسی نسبت سے وہ الحربی کہے جانے لگے۔

بغداد میں ابوبکر نے جعفر بن محمد القاریابی (م ۳۰۱ھ) اور احمد بن شریک الکوفی سے حدیث کا درس لیا۔ راوی حدیث ہونے کے علاوہ ابوبکر فن قرأت سے بھی بخوبی واقف تھے۔ احمد بن علی البادا (م ۴۲۰ھ) ابو علی بن ودما النعالی (۴۲۳ تا ۴۱۳ھ) اور قاضی ابوالعلا واسطی (م ۴۳۱ھ) ان کے شاگرد تھے۔ ابوبکر نے (۳۷۰ھ - ۹۸۰ء) میں وفات پائی۔

حسن بن حامد دیبلی (م ۴۰۷ھ)

حسن بن حامد بھی دیبل کے باشندہ تھے۔ اپنے ہم وطن محدثوں کے برعکس انھوں نے بحیثیت تاجر بیرونی ملک سفر کیا اور بغداد میں سکونت اختیار کر لی۔ تجارت سے انھوں نے کثیر دولت پیدا کی اور بغداد کے ممتاز شہریوں میں شمار کیے جانے لگے جس کا ثبوت اس واقعہ سے بھی ملتا ہے کہ مشہور شاعر المتنبی (۳۵۴ھ) جب بغداد گیا تو حسن کا مہمان ہوا۔ حسن میں ایک عالم اور ایک کامیاب تاجر کے اوصاف یکجا دیکھ کر متنبی کافی متاثر ہوا اور کہنے لگا کہ "اگر میں کسی تاجر کی مدح کرتا تو یقیناً وہ تم ہی ہوتے"۔ حسن انسان دوست تھے اور انھوں نے درب الزعفرانی، بغداد میں غربا کے لیے ایک خان، محتاج خانہ تعمیر کیا تھا جو خان ابن حامد کہا جاتا تھا۔ تجارت کے ساتھ ساتھ وہ ثقافتی سرگرمیوں میں بھی مصروف رہے علم حدیث انھوں نے علی بن محمد بن سعید الموصلی (م ۳۵۹ھ) دعلج (م ۳۵۱ھ) محمد النقاش (م ۳۵۱ھ) اور ابو علی التمری (م ۳۶۰ھ) سے حاصل کیا۔ حدیث سے ان کو اس قدر دلی انس تھا کہ حدیث روایت کرتے ہوئے اشک بار ہو جاتے تھے۔ علم حدیث میں ان کی قابلیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ وہ اس کا درس دینے کے لیے مصر اور دمشق گئے تھے۔ حسن شاعر اور ادیب بھی تھے انھوں نے ۴۰۷ھ ۱۰۱۶ء میں مصر میں وفات پائی

ابوالقاسم شعیب بن محمد بن احمد دیبلی (م ۴۰۰ھ - ۱۰۰۹ء)

ابو القاسم، ابو قطعان کے نام سے زیادہ معروف ہیں۔ وہ مصر چلے گئے تھے اور

وہاں ایک حلقہ قائم کر لیا تھا جس میں حدیث کا درس دیتے تھے۔ ابوسعید بن یونس، ابو قطعان کے شاگرد تھے۔

منصورہ

سندھ کے شہر حیدر آباد کے شمال مشرق میں ۴۷ میل کے فاصلے پر دریائے سندھ کے قدیم راستے کے قریب ایک بڑا ٹیلہ ہے جو بمبھرا کا تھل کہلاتا ہے۔ یہ ٹیلہ سندھ کے قدیم شہر منصورہ کے کھنڈروں کی نشان دہی کرتا ہے۔ بلاذری کے بیان کے مطابق محمد بن قاسم فاتح سندھ کے لڑکے عمرو نے ۱۱۰ھ - ۷۲۸ء اور ۱۲۱ھ - ۷۳۸ء کے درمیان شہر منصورہ آباد کیا تھا۔ ۲۷۰ھ - ۸۸۳ء میں جب زیریں سندھ میں ایک خود مختار عرب ریاست قائم ہو گئی تو منصورہ برابر ترقی کرتا گیا اور ۳۴۰ھ ۹۵۱ء میں جب اصطخری یہاں آیا تھا تو منصورہ ایک خوشحال شہر بن چکا تھا جس کا رقبہ چار مربع میل تھا اور جہاں مسلمان آباد تھے۔ ابن حوقل کا بھی یہی بیان ہے، المقدسی نے جو ۳۷۵ھ - ۹۸۵ء میں منصورہ آیا تھا، یہ لکھا ہے کہ المنصورہ سندھ کا شہر ہے جو دمشق سے بڑی مشابہت رکھتا ہے عمارتیں شیشم کی لکڑی اور چونے سے تعمیر کی گئی ہیں۔ بڑے بازار میں جامع مسجد ہے جو اینٹ اور پتھر سے بنائی گئی ہے اور اس کی چھت عمان کی مسجد کی طرح ساگون کی ہے۔ شہر کے چار دروازے تھے جو باب البحر باب طوران، باب سندان اور باب ملتان کہے جاتے تھے۔

منصورہ کی مذہبی اور علمی زندگی کے بارے میں المقدسی نے لکھا ہے کہ یہاں کے لوگ عموماً ذہین اور پرہیزگار ہیں۔ اسلام کا بہت احترام کیا جاتا ہے۔ لوگ اسلامی احکام پر سختی سے عمل کرتے ہیں اور ملاؤں کا کوئی عمل دخل نہیں۔ ذمی آزادی کے ساتھ اپنے دیوتاؤں کی پرستش کرتے ہیں مسلمانوں کی اکثریت اصحاب حدیث پر مشتمل ہے جو ظاہری امام داود الاصبہانی (م ۲۷۰ھ) کے پیرو ہیں۔ مقامی بستیوں میں حنفی فقہا بھی ہیں۔ لیکن مالکی، حنبلی یا معتزلی نظر نہیں آتے۔ یہاں اسلام اپنی اصلی شان اور فطری سادگی میں موجود ہے اور ہر جگہ نیکی اور پرہیزگاری کا دور دورہ ہے۔

منصورہ میں علم اور عالم کی بہت قدر کی جاتی تھی۔ چونکہ آبادی کی اکثریت اصحاب حدیث کی تھی اس لیے قدرتی طور پر علم حدیث کو بہت فروغ ہوا۔ یہاں کے محدث اپنے علم کی اشاعت میں منہمک رہتے تھے۔ شہر کی مختلف مسجدوں میں حدیث کا درس دیا جاتا تھا۔ علما علم حدیث سے

متعلق کتابیں مرتب کرتے تھے۔ بطور مثال قاضی ابوالعباس المنصوری کا نام محدث و مرتب کی حیثیت سے پیش کیا جاسکتا ہے۔

محدثین منصورہ

احمد بن محمد بن صالح منصوری

احمد بن محمد معروف بہ ابوالعباس منصوری نے فارس میں ابوالعباس بن الاثرم (م ۳۳۶ ہج) سے اور بصرہ میں احمد الخزانی (م ۳۴۳ھ) سے جو ابوروق کے نام سے معروف ہیں حدیث کی تعلیم حاصل کی۔ پھر وہ فارس کے مغربی علاقہ میں ارجان کے قاضی بنائے گئے۔ ۳۴۶ھ ۷۰۰ء میں جب وہ بخارا گئے تو الحاکم (م ۴۰۵ھ) نے ان سے حدیث کا درس لیا تھا اور اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت تک احمد منصوری ایک محدث کی حیثیت سے کافی مشہور ہو چکے تھے۔ الحاکم کا یہ بیان ہے کہ وہ جن علما سے مل چکے ہیں ان میں منصوری سب سے زیادہ ذہین تھے۔ چوتھی صدی ہجری کی آٹھویں دہائی میں جب المقدسی منصورہ آیا تھا تو اس نے منصوری کو اپنے قائم کردہ حلقہ میں حدیث کا درس دیتے ہوئے دیکھا تھا۔ منصوری ظاہری فرقہ کے ایک ممتاز عالم اور مصنف تھے اور انھوں نے کئی ضخیم علمی کتابیں مرتب کیں جن میں سے کتاب المصباح الکبیر، کتاب الہادی اور کتاب النیر کا تذکرہ ابن ندیم نے اپنی الفہرست میں کیا ہے۔ ان کو ظاہری فرقہ کے امام کا مرتبہ حاصل تھا تاہم ان پر حدیثیں وضع کرنے کا الزام عائد کیا گیا ہے جو غالباً انھوں نے اپنے عقائد کو تقویت دینے کے لیے گھڑ لی تھیں۔

احمد بن محمد منصوری (م ۳۸۰ھ)

احمد بن محمد منصورہ کے ایک اور محدث تھے جنھوں نے فارس اور بصرہ میں ابوالعباس بن الاثرم (م ۳۳۶ھ) اور دوسرے محدثین سے حدیث کا درس لیا تھا۔ یہ بھی ظاہری فرقہ کے ایک امام اور الحاکم نیشاپوری (م ۴۰۵ھ) کے استاد تھے۔ احمد بن محمد کا زمانۂ حیات چوتھی صدی ہجری ہے۔

عبداللہ بن جعفر بن مرۃ منصوری (م ۳۹۰ھ)

منصورہ کے دوسرے دو محدثوں کی طرح عبداللہ بن جعفر بھی حسن بن المکرم کے شاگرد تھے، وہ الحاکم نیشاپوری کے استاد کی حیثیت سے مشہور ہوتے ہیں اس لیے یہ یقیناً چوتھی صدی ہجری کے ایک محدث تھے۔ یہ سیاہ فام تھے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سندھی نژاد تھے۔

قصدار

قصدار میں جو اب خضدر کہلاتا ہے اور بلوچستان کے علاقے قلات میں واقع ہے۔ ایک صحابی سنان بن سلمان الھذلی کا مزار ہے جو معاویہ کے عہدِ خلافت میں آئے تھے اور میڈوں کے خلاف ایک فوج کی قیادت کرتے ہوئے شہید ہو گئے تھے۔ اس کے بعد کبھی عرب اور کبھی میڈ قصدار پر قابض ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ محمد بن قاسم نے اس کو خلافت کے مشرقی حصہ میں شامل کر دیا۔

عربوں کے عہدِ حکومت میں قصدار کو طوران کا مستقر بنایا گیا۔ یہ علاقہ موجودہ بلوچستان کے جنوبی حصہ پر مشتمل تھا۔ چوتھی صدی ہجری کے وسط میں یہاں ایک خود مختار عرب سردار معین بن احمد نے حکومت قائم کر لی اور عباسی خلیفہ کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔ قصدار خارجیوں کا ایک مستحکم مرکز تھا اور سلطان سبکتگین (۳۶۶ تا ۳۸۷ھ - ۹۷۶ تا ۹۹۸ء) نے ۳۷۵ھ - ۹۸۵ء اور ۳۸۶ھ - ۹۹۶ء کے درمیان کسی وقت قصدار پر قبضہ کر لیا تھا۔

قصدار ایک تجارتی شہر تھا اور کرمان، فارس اور خراسان سے بڑی راستہ سے ہند کی جو تجارت ہوتی تھی اس کے لیے یہ بڑا اہم مرکز تھا۔ چنانچہ قصدار میں ان ملکوں کے تاجر اور ہندی تاجر سب ہی آباد ہو گئے تھے، اور شہر کے تجارتی علاقے میں اپنے مکان بنوائے تھے۔ یہاں مسلمانوں کے لیے ایک مسجد بھی موجود رہتی۔

اس امر کی براہ راست کوئی شہادت موجود نہیں کہ قصدار میں عربوں نے ثقافتی ترقی کے کام کیے تھے۔ اور دینی علوم یعنی قرآن و حدیث کی اشاعت کرتے تھے۔ اسی زمانے میں قصدار اور سندھ کے مختلف مقامات میں دینی علوم کی اشاعت میں سب سے بڑی رکاوٹ، جس کا پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے، یہ تھی کہ اس ملک پر عربوں کے قبضے کی شروع صدیوں میں یہاں مضبوط اور مستحکم حکومت قائم نہیں ہو سکی تھی۔ اس صورتِ حال کی تصدیق اس امر سے ہوتی ہے کہ پانچویں صدی ہجری تک ہمیں قصدار کے صرف دو محدثوں کا حال معلوم ہوا ہے۔ چنانچہ صحیح طور پر یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ قصدار میں حدیث کی تعلیم کا آغاز چوتھی صدی ہجری میں عربوں کی خود مختار ریاست کے قیام سے ہوا۔

محدثین قصدار

جعفر بن الخطاب قصداری (م ۴۵۰ھ)

جعفر معروف بہ ابو محمد قصدار کے باشندہ تھے اور بلخ میں سکونت اختیار کر لی تھی وہ فقیہہ بھی تھے اور صوفی بھی۔ انھوں نے عبدالصمد بن محمد العاصمی سے حدیث کا درس لیا تھا۔ اور ثقہ راوی حدیث تھے۔ ابوالفتوح عبدالغافر کاشغری (م ۴۷۴ھ) نے جو حافظِ قرآن بھی تھے۔ جعفر سے احادیث روایت کی ہیں۔ جعفر کا زمانۂ حیات پانچویں صدی ہجری کا ابتدائی حصہ تھا۔

سبَوَیہ بن اسماعیل بن داؤد قصداری (م ۴۶۳ھ)

سبَوَیہ، العاص ابوالقاسم علی بن محمد الحسینی، یحیٰ بن ابراہیم المحول اور رجاء بن عبدالواحد اصفہانی کے شاگرد تھے۔ وہ ہجرت کر کے مکہ معظمہ چلے گئے تھے اور وہاں حدیث کا درس دیتے تھے۔ حافظ ابوالفتیان عمر و بن ابوالحسن الرؤاسی (م ۵۰۳ھ) نے صوبۂ جرجان کے مقام دہستان کے ایک محدث تھے۔ سبویہ سے احادیث روایت کی ہیں۔ سبَوَیہ نے ۴۶۳ھ-۱۰۷۰ء کے قریب وفات پائی۔

مسلمانوں کے سیاسی افکار

از پروفیسر سعید احمد

مسلمان مفکروں نے سیاسی نظریہ سازی کی تاریخ میں بہت اہم ابواب کا اضافہ کیا ہے۔ اس کتاب میں مختلف زمانوں اور مختلف مکاتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے مسلمان مفکروں اور مدبروں کے سیاسی نظریات پیش کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب بارہ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں قرآنی نظریۂ مملکت کی بخوبی وضاحت کی گئی ہے جو ان سب مفکروں کے نظریوں کی اساس ہے۔ یہ کتاب بی۔ اے کے نصاب میں داخل ہے۔

قیمت ۶/۵۰ روپے

ملنے کا پتہ: ادارہ ثقافت اسلامیہ۔ کلب روڈ لاہور